

الرسالہ

Al-Risāla

October 2001 • No. 299 • Rs. 10

سمجھوتہ جب بھی ہوتا ہے لین دین کے اصول پر ہوتا
ہے نہ کہ فریق ثانی سے صدی صدی بات منوانے پر۔



عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کی قلم سے

60.00	دین انسانیت	5.00	اسلام: ایک عظیم جدوجہد	400.00	تذکیر القرآن (مکمل)
50.00	فکر اسلامی	5.00	تاریخ و دعوت حق	60.00	مطالعہ سیرت
50.00	شتم رسول کا مسئلہ	12.00	مطالعہ سیرت (کتابچہ)	85.00	اسباق تاریخ
5.00	طلاق اسلام میں	80.00	ڈائری (جلد اول)	60.00	تغیر حیات
60.00	مضامین اسلام	65.00	کتاب زندگی	50.00	تغیر انسانیت
7.00	حیات طیبہ	25.00	اقوال حکمت	85.00	سفر نامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)
7.00	باغ جنت	8.00	تغیر کی طرف	125.00	سفر نامہ غیر ملکی اسفار، جلد دوم
7.00	تار جہنم	20.00	تیلنی تحریک	80.00	اسلام: ایک تعارف
8.00	سچا راستہ	25.00	تجدید دین	60.00	اللہ اکبر
7.00	دینی تعلیم	35.00	عقائیات اسلام	50.00	تغیر انقلاب
10.00	خلج ڈائری	25.00	قرآن کا مطلوب انسان	65.00	مذہب اور جدید چیلنج
7.00	رہنمائے حیات	7.00	دین کیا ہے؟	35.00	عظمت قرآن
7.00	تعدا و ذواج	20.00	اسلام دین فطرت	50.00	عظمت اسلام
60.00	ہندوستانی مسلمان	7.00	تغیر ملت	7.00	عظمت صحابہ
7.00	روشن مستقبل	7.00	تاریخ کا سبق	80.00	دین کامل
7.00	صوم رمضان	5.00	فسادات کا مسئلہ	45.00	الاسلام
5.00	اسلام کا تعارف	5.00	انسان اپنے آپ کو پہچان	50.00	ظہور اسلام
20.00	علماء اور دور جدید	5.00	تعارف اسلام	40.00	اسلامی زندگی
60.00	سفر نامہ اسپین و فلسطین	5.00	اسلام پندرہویں صدی میں	35.00	احیاء اسلام
12.00	ملکرم: ہندو جنس کو روکنے کی ہے	12.00	راہیں بند نہیں	65.00	راز حیات
10.00	سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ	7.00	ایمانی طاقت	40.00	صراطِ مستقیم
5.00	یکساں سول کوڈ	7.00	اتحاد ملت	60.00	خاتون اسلام
8.00	اسلام کیا ہے؟	7.00	سبق آموز واقعات	50.00	سوشلزم اور اسلام
35.00	میوات کا سفر	10.00	زلزلہ قیامت	30.00	اسلام اور عصر حاضر
35.00	قیادت نامہ	12.00	حقیقت کی تلاش	40.00	الربانیہ
5.00	منزل کی طرف	5.00	پیغمبر اسلام	45.00	کاروانِ ملت
125.00	اسفار ہند	7.00	آخری سفر	30.00	حقیقت حج
100.00	ڈائری ۱۹۸۹-۹۰	7.00	اسلامی دعوت	35.00	اسلامی تعلیمات
70.00	قال اللہ و قال الرسول	10.00	حل یہاں ہے	25.00	اسلام دور جدید کا خالق
90.00	ڈائری ۱۹۹۱-۹۲	25.00	امہات المؤمنین	40.00	حدیث رسول
80.00	مطالعہ قرآن	85.00	تصویر ملت	25.00	راہ عمل
40.00	مذہب اور سائنس	50.00	دعوت اسلام	80.00	تغیر کی غلطی
		40.00	دعوت حق	25.00	دین کی سیاسی تعبیر
		80.00	نثری تقریریں	7.00	عظمت مومن

الرسالہ اکتوبر 2001

فہرست

- 4 قدرتی ڈھال
5 تدبیر و توکل
7 خدا اور سائنس
11 میرٹھ کا سفر
46 ایک خط



بیت الخلاص النبی

الرسالہ

Al-Risala

اردو، اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala

1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013

Tel. 435 6668, 435 1128

Fax 435 7333, 435 7980

e-mail: info@goodwordbooks.com

website: www.alrisala.org

SUBSCRIPTION RATES

Single copy Rs. 10

One year Rs. 110. Two years Rs. 200

Three years Rs. 300. Five years Rs. 480

Abroad: One year \$ 10/£6 (Air mail)

DISTRIBUTED IN ENGLAND BY

IPCI: ISLAMIC VISION

434, Coventry Road, Birmingham B10 0JS

Tel. 0121-773 0137 • Fax: 0121-766 8577

e-mail: info@ipci-tv.co.uk

DISTRIBUTED IN USA BY

AL-RISALA FORUM INTERNATIONAL

5801 SW 106th Ave,

Cooper City, FL 33328 U.S.A.

Tel. (954) 4348404 • Fax (954) 4342551

e-mail: kaleem@alrisala.org

Printed and published by Saniya Sain Khan

on behalf of The Islamic Centre, New

Delhi. Printed at Nice Printing Press, 7/10,

Parwana Road, Khureji Khas, Delhi- 110 051.

قدرتی ڈھال

چنگیز خاں کا پوتا ہلاکو خاں وحشی تاتاری قبائل کی فوج لے کر ۱۲۵۸ء میں بغداد میں داخل ہوا اور اس کو تباہ کر ڈالا۔ اس کے بعد عرصہ تک وہ لوگ مسلم دنیا کو اپنی تخریب کاری کا نشانہ بناتے رہے۔ امام ابن تیمیہ (۱۳۲۸ = ۱۲۶۳ء) کا زمانہ وہی ہے جو اس تاتاری فتنہ کا زمانہ ہے۔ دمشق میں ایک بار ابن تیمیہ ایک مقام سے گزر رہے تھے۔ اس مقام پر تاتاریوں کا ایک گروہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اس وقت وہ لوگ شراب نوشی میں مشغول تھے۔ ابن تیمیہ کے بعض ساتھیوں نے چاہا کہ ان کے پاس جائیں اور ان کو شراب پینے سے روکیں۔ ابن تیمیہ نے اپنے ساتھیوں کو منع کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ جب تک یہ لوگ نشہ کی حالت میں رہیں گے، مسلمان ان کی جارحیت سے محفوظ رہیں گے۔ ان کی ہوش کی حالت کے مقابلہ میں ان کی مدہوشی کی حالت زیادہ بہتر ہے۔ (مسکوہم خیر من صحوہم)

موجودہ دنیا میں عافیت کی زندگی حاصل کرنے کے لئے یہ ایک قیمتی اصول ہے۔ لوگوں کو ان کی دلچسپیوں میں مشغول رہنے دیجئے، آپ ان کے فتنوں سے محفوظ رہیں گے۔ یہ اصول دور جدید کے تاتاریوں پر مزید اضافہ کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔ موجودہ صنعتی دور کے تاتاری اس سے بھی زیادہ بڑے نشے میں مبتلا ہیں۔ یہ دولت کمانے کا نشہ ہے۔ جدید صنعتی انقلاب نے دولت کمانے کے بے حساب نئے مواقع کھول دیے ہیں۔ چنانچہ ہر آدمی اپنی ساری توجہ زیادہ سے زیادہ کمائی کرنے میں لگائے ہوئے ہے۔ برادران وطن میں یہ کیفیت اور بھی زیادہ ہے کیوں کہ وہ دولت کو دیوتا کا درجہ دیتے ہیں۔

ایسی حالت میں لوگوں کے شر سے بچنے کی سب سے آسان صورت یہ ہے کہ انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ بعض اوقات صبر و تحمل بہترین ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے۔

تدبیر اور توکل

قرآن کی سورہ نمبر ۶ میں ارشاد ہوا ہے: **وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بَخِيرٍ فَلَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الأنعام ۱۷)** یعنی اور اگر اللہ تم کو کوئی دکھ پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں۔ اور اگر اللہ تم کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دکھ کو دور کرنے والا صرف اللہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر تم کسی دکھ میں مبتلا ہو تو اس سے نجات کے لیے اللہ کے فرشتوں کا انتظار کرو۔ یہ دراصل دکھ کے وقت اعتدال پر قائم رہنے کی تعلیم ہے۔ اگر کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ فوراً کانٹے کو نکالنے کی کوشش کرے۔ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ فوراً دوا کا استعمال کرے۔ اعتدال کے دائرہ میں دکھ کو دور کرنے کی کوشش کرنا ایک فطری امر ہے۔ خود فطرت ہی یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ ایسے موقع پر آدمی کو فوراً ضروری تدبیر کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔

لیکن اگر ایسا ہو کہ اعتدال کے دائرہ میں فطری تدبیر سے مسئلہ حل ہوتا ہوا نظر نہ آئے تو ایسی حالت میں آدمی کو اللہ سے دعا کرنا چاہئے اور اللہ سے مدد کا طالب ہونا چاہئے۔ اس کو ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ تدبیر کو ناکافی دیکھ کر وہ مایوسی کا شکار ہو یا قبروں اور درگاہوں کی طرف دوڑنے لگے یا اور کوئی ایسا اقدام کر بیٹھے جو اعتماد علی اللہ کے خلاف ہو۔ انسانی تدبیر کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنا ہے نہ کہ کسی غیر اللہ کا سہارا ڈھونڈنا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اور اگر اللہ تم کو کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس آیت میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ دنیا کی کوئی بھلائی کسی آدمی کو ملے تو وہ اس کو اپنا ذاتی کمال سمجھ کر اس پر نازاں نہ ہو۔ وہ تواضع کی روش سے نہ ہٹے۔ کیوں کہ جو کچھ اس کو ملا ہے وہ اللہ کے اذن سے ملا ہے۔ اللہ جب چاہے، حالات میں ایسی تبدیلی پیدا کر دے کہ مٹی ہوئی چیز اس سے چھن جائے۔ اس آیت کی مزید تشریح ایک حدیث سے ہوتی ہے۔

الترمذی نے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سواری کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے یا اے میرے بیٹے، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتاؤں کہ اس کے ذریعہ سے اللہ تم کو نفع پہنچائے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہیں یاد رکھے گا۔ تم اللہ کو یاد کرو، تم اس کو اپنے سامنے پاؤ گے۔ تم خوش حالی میں اللہ کو نہ بھولو، وہ تم کو تنگی میں نہ بھولے گا۔ جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو۔ اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔ کیوں کہ جو ہونے والا ہے وہ سب لکھا جا چکا ہے۔ پس اگر تمام انسان تم کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہیں جس کا فیصلہ اللہ نے تمہارے لیے نہ کیا ہو تو وہ اس پر قادر نہ ہوں گے۔ اور اللہ کے لیے عمل کرو شکر اور یقین کے ساتھ۔ اور جان لو کہ جو چیز تم کو ناپسند ہو اس پر صبر کرنے میں تمہارے لیے بہت زیادہ بھلائی ہے۔ اور اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے۔ اور کشادگی تکلیف کے ساتھ ہے۔ اور بے شک آسانی مشکل کے ساتھ ہے۔ (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ۳۹۸/۵)

ایمانی زندگی تدبیر کے ساتھ توکل کا نام ہے اور توکل کے ساتھ تدبیر کا۔ تدبیر اگر انسانی محنت کا اظہار ہے تو توکل اللہ کے قادر مطلق ہونے کا اظہار۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں انسان کے ساتھ بری حالت بھی پیش آتی ہے اور اچھی حالت بھی۔ اور ان دونوں ہی کا مقصد صرف ایک ہوتا ہے اور وہ آزمائش ہے (ونبلوکم بالشر والخیر فتنة) الانبیاء ۳۵۔

اس سے معلوم ہوا کہ دکھ اور سکھ اگرچہ بظاہر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ مگر اللہ کے تخلیقی منصوبہ کے مطابق، دونوں کی حیثیت ایک ہے اور دونوں کا مقصد بھی ایک ہے۔ اللہ کے تخلیقی منصوبہ کے مطابق، انسان کو چاہئے کہ جب اس پر دکھ کی حالت پڑے تو وہ اپنے سکھ کی حالت کو یاد کرے اور اس طرح اپنے اس اعتماد کو زندہ رکھے کہ اللہ اس کے دکھ کو سکھ میں بدلنے پر قادر ہے۔ اسی طرح جب وہ زندگی میں سکھ کا تجربہ کرے تو وہ اپنے دکھ کے لمحات کو یاد کرے اور اس طرح اس حقیقت کو اپنے ذہن میں تازہ کرے کہ اللہ اگر چاہے تو اس سے سکھ کو چھین لے اور اس کو دکھ کی حالت میں مبتلا کر دے۔

عقیدہ خدا اور سائنس

سائنس اپنی حقیقت کے اعتبار سے عین اسی علم فطرت کا ظہور ہے جس کی خبر پیشگی طور پر قرآن میں ان الفاظ میں دی گئی تھی۔۔۔ سنریہم ایاتنا فی الآفاق و فی أنفسہم حتی یبین لہم انہ الحق (حم المسجدہ ۵۳) یعنی ہم لوگوں کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں اور انفس میں۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ یہ (قرآن) حق ہے۔

سائنس کی جدید تحقیقات کی روشنی میں کائنات کی جو نئی تصویر بنی ہے، وہ عین وہی ہے جو قرآن میں پیشگی طور پر بتادی گئی تھی۔ اس اعتبار سے جدید سائنسی دریافتیں گویا کتاب الہی کے اشارات کی تفصیل ہیں اور اسی کے ساتھ اس کی دلیل بھی۔ یہاں مختصر طور پر ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جدید دریافت کے مطابق، کائنات کی ابتدا تقریباً ۲۵ بلین سال پہلے ہوئی۔ اس کے بعد مختلف تدریجی انقلابات سے گزرتے ہوئے وہ اپنی موجودہ حالت تک پہنچی۔ اس پورے سفر کی روداد اس موضوع کی کتابوں میں پڑھ کر معلوم کی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کو محسوس طور پر کسی سائنسی پلے بیئریم (Planetarium) میں دیکھا جاسکتا ہے۔ میں نے یہ پورا منظر واشنگٹن کے نیشنل پلے بیئریم میں دیکھا ہے۔

سائنسی مطالعہ بتاتا ہے کہ ۲۵ بلین سال پہلے خلا میں ایک سپر اینیم ظاہر ہوا۔ یہ ان تمام ذرات (particles) کا مجموعہ تھا جو موجودہ کائنات میں پائے جاتے ہیں۔ گویا موجودہ پوری کائنات ایک بہت بڑے فٹ بال جیسے گولے کی صورت میں شدت کے ساتھ باہمی طور پر چٹٹی ہوئی تھی۔ اس گولے کے تمام ذرات بے حد طاقتور کشش کے ساتھ ایک دوسرے سے داخلی طور پر جڑے ہوئے تھے۔ معلوم طبیعیاتی قانون کے مطابق، یہ ناممکن تھا کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر بیرونی سمت میں سفر کریں۔

اس وقت اس سپر اینیم کے اندر نہایت طاقتور دھماکہ ہوا۔ اس دھماکہ کے فوراً بعد سپر اینیم

کے ذرات بکھر کر تیزی سے بیرونی سمت میں سفر کرنے لگے۔ اس کے بعد یہ ذرات وسیع خلا میں مختلف مجموعوں کی صورت میں اکٹھا ہو گئے۔ انہیں مجموعوں سے خلا میں پائی جانے والی وہ دنیا کی بنیں جن کو ستارہ، سیارہ، کہکشاں، شمسی نظام، زمین اور چاند جیسے الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

سپر اینیم کا یہ دھماکہ بیک وقت دو چیزیں ثابت کرتا ہے۔ ایک یہ کہ یہاں کائنات سے الگ ایک طاقتور ہستی پہلے سے موجود تھی جس نے اپنی ارادی مداخلت کے ذریعہ یہ غیر معمولی واقعہ کیا کہ سپر اینیم کے ذرات داخلی رخ پر سفر کے بجائے بیرونی رخ پر سفر کرنے لگے۔

اس واقعہ کا دوسرا عظیم پہلو یہ ہے کہ دھماکہ (explosion) ہمیشہ تخریبی نتائج کا سبب بنتا ہے۔ پانچہ سے لے کر بم تک ہر دھماکہ بلا استثناء یہی خاصیت رکھتا ہے۔ مگر سپر اینیم کا دھماکہ استثنائی طور پر غیر تخریبی تھا۔ اس نے مکمل طور پر صرف صحت مند اور تعمیری نتائج پیدا کئے۔ یہ استثنائی واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کائنات کا خالق لامحدود قدرت کا مالک ہے۔ وہ یہ استثنائی اختیار رکھتا ہے کہ واقعہ کے ساتھ نتائج پر مکمل کنٹرول کر سکے۔

مطالعہ بتاتا ہے کہ ہماری کائنات ایک پھیلتی ہوئی کائنات (expanding universe) ہے۔ وہ غبارہ کی مانند مسلسل طور پر بیرونی سمت میں پھیل رہی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کا ایک متعین آغاز ہے۔ اگر کائنات ابدی ہوتی تو وہ اپنی اس پھیلتی ہوئی نوعیت کی بنا پر اب تک ختم ہو چکی ہوتی۔ یہ ثابت ہونا کہ کائنات کا ایک آغاز ہے، یہ بھی ثابت کر دیتا ہے کہ اس کا کوئی آغاز کرنے والا ہے۔ ایک غیر موجود چیز کا آغاز اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس سے پہلے کوئی موجود ہو جو اپنے ارادہ سے اس کا آغاز کر سکے۔

کائنات میں ایسے بے شمار شواہد ہیں جو یہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات کا منصوبہ ساز اور اس کا ناظم صرف ایک ہے۔ اگر ایک سے زیادہ ناظم ہوتے تو یقینی طور پر کائنات میں فساد برپا ہو جاتا۔

مثال کے طور پر زمین اور سورج کا فاصلہ تقریباً ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔ یہ فاصلہ

مسلسل طور پر اپنی حالت پر برقرار رہتا ہے۔ اگر اس فاصلہ میں تبدیلی آجائے تو اس کے مہلک نتائج پیدا ہوں گے۔ مثلاً اگر یہ فاصلہ بڑھ کر ۲۰ کروڑ میل دور ہو جائے تو زمین پر اتنی ٹھنڈ پیدا ہو کہ پانی، نباتات، حیوانات اور انسان سب منجمد ہو جائیں۔ اسی طرح یہ فاصلہ اگر کم ہو کر ۵ کروڑ میل ہو جائے تو زمین پر اتنی گرمی پیدا ہو کہ تمام چیزیں بشمول انسان جل کر ختم ہو جائیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج اور زمین دونوں کا خدا ایک ہے۔ اگر دونوں کے خدا الگ الگ ہوتے تو دونوں الگ الگ اپنی مرضی چلاتے اور پھر یقینی طور پر یہ فاصلہ گھٹتا یا بڑھتا رہتا اور اس بے قاعدگی کی بنا پر زمین پر انسانی تہذیب کا وجود ناممکن ہو جاتا۔

نامعلوم حد تک وسیع کائنات میں ہمارا زمینی سیارہ ایک نادر استثناء ہے۔ یہاں پانی اور ہوا اور نباتات جیسی ان گنت چیزیں پائی جاتی ہیں جو انسانی زندگی کے لئے لازمی طور پر ضروری ہیں۔ جب کہ وسیع خلا میں معلوم طور پر کوئی بھی ایسی دنیا موجود نہیں جہاں بقائے حیات کا یہ سامان پایا جاتا ہو۔ یہ استثناء بتاتا ہے کہ یہ دنیا محض بے شعور مادہ کے ذریعہ نہیں بنی بلکہ وہ ایک باشعور ہستی کا تخلیقی کرشمہ ہے۔ اگر وہ محض مادی قوانین کے بے شعور تعامل کا نتیجہ ہوتی تو کائنات میں بہت سی ایسی زمینیں ہوتیں نہ کہ صرف ایک ایسی زمین۔

ہماری دنیا کی ہر چیز انتہائی حد تک بامعنی ہے۔ چیزوں کی معنویت یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ دنیا ایک باشعور تخلیق کا نتیجہ ہے۔ کوئی دوسرا نظریہ اس حکمت اور معنویت کی توجیہ نہیں کر سکتا۔ مثلاً زمین کے حجم (سائز) کو لیجئے۔ زمین کا موجودہ حجم تقریباً ۲۵ ہزار میل کی گولائی میں ہے۔ یہ حجم بے حد بامعنی ہے۔ چنانچہ یہ حجم اگر ۵۰ ہزار میل ہو تا تو زمین کی کشش اتنی زیادہ بڑھ جاتی کہ وہ انسانی جسم کی بڑھوتری کو روک دیتی۔ اس کے بعد زمین پر صرف بالشتیے قسم کے انسان دکھائی دیتے۔ اس کے برعکس اگر زمین کا حجم گھٹ کر ۱۲ ہزار میل ہو تا تو اس کی قوت کشش اتنی کم ہو جاتی کہ وہ انسانی بڑھوتری کو روک نہ سکتی۔ انسان کا قد تاڑکی طرح لمبا ہو جاتا۔ اس کے سوا اور بے شمار قسم کے غیر موافق حالات پیدا ہوتے جو انسان کی تمام تمدنی ترقیوں کو ناممکن بنا دیتے۔

مذکورہ پہلوؤں پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ سائنسی اعتبار سے، یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ اس دنیا کا ایک خالق ہے اور وہ یقینی طور پر صرف ایک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں ہمارے لئے جو انتخاب ہے وہ با خدا کائنات (universe with God) اور بے خدا کائنات (universe without God) میں نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے لیے حقیقی انتخاب با خدا کائنات (universe with God) اور غیر موجود کائنات (no universe at all) میں ہے۔ یعنی اگر ہم خدا کے وجود کا انکار کریں تو ہم کو کائنات کے وجود کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔ چوں کہ ہم کائنات کے وجود کا انکار نہیں کر سکتے اس لیے ہم خدا کے وجود کا بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اس معاملہ میں ہمارے لیے دوسرا کوئی ممکن انتخاب موجود نہیں۔

Change of Telephone Numbers

New Numbers:

Office Al-Risala	435 1128, 435 5454
Maulana Wahiduddin Khan	435 8729
Fax	435 7333, 435 7980
e-mail	info@goodwordbooks.com

میرٹھ کا سفر

میرٹھ مجھے بار بار جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ تاہم سفرنامہ کی نسبت سے پانچ سفر قابل ذکر ہیں۔ اس حیثیت سے میرٹھ کے لئے میرا پہلا سفر جنوری ۱۹۶۸ میں ہوا۔ اس سفر کی روداد اُس زمانہ میں الجمعۃ بینکی ۹ فروری ۱۹۶۸ میں شائع ہوئی تھی۔

میرٹھ کے لئے میرا دوسرا سفر جون ۱۹۷۹ میں ہوا۔ اس موقع پر وہاں میری چند تقریریں ہوئیں اور مختلف اہل علم سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اس سفر کا ایک واقعہ اللہ اکبر (صفحہ ۹۰) میں درج ہے۔

میرٹھ کے لئے میرا تیسرا سفر جون ۱۹۸۷ میں ہوا۔ یہ سفر خاص طور پر میرٹھ کے فساد کا جائزہ لینے کے لئے کیا گیا تھا۔ اس سفر کی تفصیلی روداد الرسالہ نومبر ۱۹۸۸ میں چھپ چکی ہے۔ میرٹھ کا چوتھا سفر سر دھنہ کے سفر کے ذیل میں ہوا۔ اس سفر میں کچھ نئے اور انوکھے قسم کے تجربات ہوئے۔ اس سفر کی تفصیلی روداد الرسالہ نومبر ۱۹۹۶ میں خصوصی نمبر کے طور پر شائع ہوئی۔

میرٹھ کے لئے میرا پانچواں سفر ۱۰ ستمبر ۲۰۰۰ کو ہوا۔ اس پانچویں سفر کی مختصر روداد یہاں درج کی جاتی ہے۔

میرٹھ مغربی یوپی کا ایک شہر ہے۔ جو دہلی سے ۷۰ کیلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ابتدائی چار اسفار کی نوعیت موجودہ سفر سے مختلف تھی۔ پچھلے اسفار عام اداروں اور تنظیموں کی دعوت پر ہوئے۔ موجودہ پانچویں سفر کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ حلقہ الرسالہ کی دعوت اور اس کے انتظام کے تحت ہوا۔

میرٹھ میں اللہ کے فضل سے الرسالہ مشن کا ایک مؤثر حلقہ بن گیا ہے۔ ان لوگوں کی مخلصانہ دعوت پر یہ سفر ہوا۔ اس سفر میں میرے ساتھ مولانا محمد عرفان قاسمی

(میرٹھ) اور مولانا محمد راشد خاں قاسمی (منڈولی) تھے۔

میرٹھ میں نوجوانوں کا ایک گروپ ہے جو مثبت فکر کی بنیاد پر اکٹھا ہوا ہے۔ وہ تعمیر اور دعوت کے میدان میں خاموش کام کر رہا ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ لمبی مدت سے میرٹھ کی تصویر ایک پر تشدد شہر کی بنی ہوئی ہے۔ ہم اللہ کی مدد سے اس تصویر کو بدلیں گے اور میرٹھ کو امن کا شہر بنائیں گے۔

مولانا محمد عرفان قاسمی نے بذریعہ ٹیلی فون بتایا تھا کہ اس گروپ کی خواہش ہے کہ میں میرٹھ کا سفر کروں۔ اور وہاں کچھ وقت ان نوجوانوں کے ساتھ گزاروں۔ میں نے اس دعوت کو فوراً منظور کر لیا۔ اگرچہ آج کل میرا یہ حال ہے کہ میں اپنے کچھ علمی کاموں میں اتنا زیادہ مشغول ہو گیا ہوں کہ اسفار کا سلسلہ بہت کم کر دیا ہے۔ اس دوران میں نے بہت سے ملکی اور غیر ملکی سفر کے دعوت نامے قبول نہیں کئے۔ اگست - ستمبر ۲۰۰۰ کے لئے مجھے کئی بیرونی کانفرنسوں میں شرکت کے دعوت نامے موصول ہوئے۔ مثلاً پرگال، فلسطین، نیویارک، اور انڈونیشیا، وغیرہ۔ مگر میں وہاں نہ جاسکا۔ لیکن میرٹھ کے نوجوانوں کے تعمیری اور دعوتی جذبات میرے لئے اتنا زیادہ پرکشش ثابت ہوئے کہ میں ان کی دعوت کو قبول کئے بغیر نہ رہ سکا۔

اس پروگرام کے مطابق ۱۰ ستمبر ۲۰۰۰ کی صبح کو دہلی سے میرٹھ کا سفر کیا اور ۱۵ ستمبر کی رات کو وہاں سے واپسی ہوئی۔ ہم لوگ دہلی سے روانہ ہوئے تو سورج طلوع ہو چکا تھا۔ اس کی روشنی چاروں طرف پھیلتی ہوئی دکھائی دی۔ اس منظر کو دیکھ کر مولانا محمد عرفان صاحب نے کہا کہ اس پروگرام کے لئے میں میرٹھ سے روانہ ہوا تو رات کا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اب ہم دہلی سے میرٹھ کا سفر کر رہے ہیں تو ہر طرف روشنی پھیل چکی ہے۔ یہ گویا علامت ہے جو بتا رہی ہے کہ ہمارا تاریک دور بہت جلد ختم ہونے والا ہے اور عنقریب ہمارے لئے روشن دور کا آغاز ہونے والا ہے۔ بلکہ اس کا آغاز ہو چکا ہے۔

دہلی کی سڑکوں پر ہماری گاڑی دوڑ رہی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف درخت کے سرسبز مناظر تھے۔ ان درختوں کے پیچھے دونوں طرف جدید طرز کی عمارتیں جھانکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ان سب کے اوپر سورج ایک عالمی چراغ کی مانند ہر طرف روشنی بکھیر رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد دوڑتی ہوئی گاڑیاں سڑک پر نظر آتی تھیں۔

میں نے سوچا کہ اگر ہم آج سے پانچ سو سال پہلے اس راستہ پر چل رہے ہوتے تو اس وقت یہاں منظر بالکل دوسرا ہوتا۔ کچھلی صدیوں میں دنیائے ”غیر متقدم دور“ سے نکل کر ”متقدم دور“ میں قدم رکھا ہے۔ تاہم اس ظاہری ترقی کے باوجود آج کے مسائل، ماضی کے مسائل کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔

پچھلے دور کا انسان سکون کی زندگی گزارتا تھا، آج کسی کو سکون حاصل نہیں۔ پچھلے دور میں انسانی قدریں زندہ تھیں، مگر آج کے زمانہ میں ان کا وجود بہت کم نظر آتا ہے۔ پچھلے دور کے انسان کے پاس مذہب اور اخلاق کے لئے کافی وقت ہوتا تھا، مگر آج کا انسان مادی بھاگ دوڑ میں اتنا مصروف ہے کہ مذہب اور اخلاق جیسی چیزوں کے لئے اس کے پاس کوئی وقت نہیں۔

میں اس سوال پر غور کر رہا تھا کہ ہماری گاڑی کے پاس سے ایک بھاری ٹرک گزرا، اس کے انجن سے نکلنے والا تیز دھواں ہماری گاڑی کی کھڑکی سے اندر داخل ہوا۔ اس تیز دھوئیں نے تھوڑی دیر کے لئے میرے ذہن کو منتشر کر دیا۔ مگر اسی تلخ تجربہ میں میرے سوال کا خاموش جواب بھی چھپا ہوا تھا۔ ٹرک کا کثیف دھواں گویا جھنجھوڑنے والی زبان میں میرے سوال کا جواب تھا۔ یہ دھواں میرے لئے جدید تہذیب کی ایک پر شور علامت بن گیا۔ اس نے علامتی طور پر مجھے بتایا کہ جدید تہذیب اگرچہ بظاہر خوشنما تر قیاں لائی ہے مگر اسی کے ساتھ وہ بے شمار مٹینیں برائیاں بھی لائی ہے۔ اس کی ایک مثال ٹرک کا یہ کثیف دھواں ہے۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ قدیم زمانہ میں انسان نے ”جنتِ شداد“ جیسے افسانے بنائے۔ اور پریوں کی کہانیاں لکھیں۔ یہ گویا انسان کی چھپی ہوئی تمنا کا اظہار تھا کہ وہ اسی دنیا میں اپنی جنت تعمیر کر سکے۔ جدید سائنسی و صنعتی انقلاب کے بعد جو بے شمار قسم کی مادی ترقیاں ظہور میں آئیں اس نے گویا قدیم انسان کی آرزوؤں کو واقعہ بنا دیا۔ اب ”جنتِ شداد“ بھی عملاً تعمیر ہو گئی اور پریوں کی دنیا بھی اب ایک ایسا عمومی واقعہ ہے جس کو ہر آدمی تصویروں کی صورت میں اخبار، ٹی وی اور سنیما وغیرہ کے ذریعہ دیکھ رہا ہے۔

مگر عین اسی وقت انسان کو محسوس ہوا کہ ان ظاہری ترقیوں نے اس سے وہی اصل چیز چھین لی ہے جو اس کو سب سے زیادہ مطلوب تھی، یعنی خوشی اور سکون۔ یہ سوچتے ہوئے مجھے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد آیا جو آپ نے غزوہ خندق کے موقع پر فرمایا تھا۔ اللھم لا عیش الا عیش الآخرة۔

دورِ جدید اپنی تمام ظاہری ترقیوں کے ساتھ گویا اس ارشادِ رسول کی تفسیر ہے۔ سکون و مسرت سے خالی یہ خوشنما مادی ترقیاں گویا خاموش زبان میں یہ اعلان کر رہی ہیں کہ انسان جو پُر راحت اور پُر مسرت زندگی چاہتا ہے وہ صرف آخرت کی دنیا میں مل سکتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ موجودہ دنیا کے وسائل کو جنت کی تعمیر میں لگائے: لَمْثَلِ هَذَا لِيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ (الصافات ۶۱) مولانا محمد عرفان قاسمی (۴۰ سال) ۱۹۸۰ء سے الرسالہ کا مسلسل مطالعہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے الرسالہ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ الرسالہ بند ذہن کو کھولتا ہے اور ذہنی جمود کو توڑ کر اس کو آفاقی بناتا ہے۔

الرسالہ پڑھنے سے پہلے مجھے ایسا معلوم ہوا تھا کہ امتِ مسلمہ کا سفر ایک بند گلی میں پہنچ کر رک گیا ہے۔ دوسرے اخبارات و رسائل اور جلسوں کی تقریروں سے بھی سبق ملتا تھا۔ مگر جب میں نے الرسالہ پڑھنا شروع کیا تو ایسا محسوس ہوا کہ میں کھلی شاہراہ پر آ گیا ہوں۔ اب ہر طرف تاریکی کے بجائے روشنی اور تنگی کے بجائے کشادگی نظر آنے لگی۔

ہماری گاڑی چلتی ہوئی مودی نگر کے صنعتی شہر میں پہنچی جو دہلی اور میرٹھ کے درمیان واقع ہے۔ میرے شریک سفر مولانا محمد راشد خاں قاسمی (۳۰ سال) نے بتایا کہ میری پیدائش اسی مودی نگر میں ہوئی۔ میرے والد عبدالعید خاں مرحوم (وفات ۱۹۹۷) یہاں سرورس کرتے تھے۔ میں نے مولانا محمد راشد صاحب سے پوچھا کہ الرسالہ مشن کے بارے میں آپ کا تاثر کیا ہے۔ انہوں نے ان الفاظ میں اپنا تاثر بتایا کہ جب میں مظاہر العلوم سہارنپور میں (۱۹۸۳-۸۷) میں زیر تعلیم تھا تو مولانا محمد عرفان قاسمی نے جو میرے استاذ بھی ہیں، اپنی طرف سے میرے نام الرسالہ جاری کر دیا۔ جب میں نے الرسالہ پڑھنا شروع کیا تو ابتداء میں مجھے اس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوئے، خاص طور پر اس بات پر کہ الرسالہ میں ہمیشہ صبر کی بات کی جاتی ہے جب کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں مسلمانوں کے اوپر ظلم و ستم کیا جا رہا ہے۔ ایسے میں صبر کی تلقین کرنا گویا مسلمانوں کو اُلٹی خوراک دینا ہے۔ تاہم میں ان شکوک کے باوجود الرسالہ پڑھتا رہا۔ آخر کار مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ الرسالہ میں جو بات کہی جاتی ہے وہ ہمیشہ قرآن و حدیث کے حوالہ سے کہی جاتی ہے۔ وہ الرسالہ کی ذاتی بات نہیں ہوتی۔

پھر مجھے محسوس ہوا کہ جب میں دوسروں کی تحریروں کی پڑھتا ہوں تو ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑا اور نفرت و تشدد ملتا ہے۔ ان تحریروں میں نہ سکون کا سامان ہوتا ہے اور نہ ان سے مستقبل کے بارے میں روشنی ملتی ہے۔ اس کے برعکس الرسالہ کی تحریروں میں ذہنی اطمینان کا سامان ہوتا ہے، اور اسی کے ساتھ ایسی واضح رہنمائی ہوتی ہے جس سے راستے روشن ہوں اور عمل کے مواقع نظر آئیں۔ اب میری شدید خواہش یہ ہے کہ اللہ کی توفیق سے آخر عمر تک اس مشن سے جڑا رہوں اور اس کے مثبت پیغام کو ساری دنیا میں پہنچاؤں۔

مولانا محمد راشد خاں نے بتایا کہ میرے والد عبدالعید خاں صاحب مرحوم اچھے

تعلیم یافتہ اور ذہین شخص تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں والد صاحب کے آخری زمانہ میں ان کو الرسالہ پڑھ کر سنایا کرتا تھا۔ وہ اس کے مضامین کو سن کر بہت خوش ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ بیٹے تم اس کو ضرور پڑھا کر دو۔

انہوں نے کہا کہ میرے والد صاحب نے مختلف ملکوں کا سفر کیا تھا۔ مسلم دنیا میں انہوں نے ہر جگہ ظلم و تشدد کے تذکرے سنے تھے۔ مسلم رہنماؤں کی بھڑکیلی تقریروں اور جوشیلی تحریروں سے وہ بہت تالاں تھے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے مسائل کے لئے وہ خود ان کے رہنماؤں کو ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ جب ان کو الرسالہ ملا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ عین وہی چیز ہے جسے ان کی فطرت تلاش کر رہی تھی۔ جب بھی الرسالہ کا نیا شمارہ آتا تو وہ اس کو پڑھ کر بہت خوش ہوتے اور بار بار اس کے لئے دعائیں کرتے۔ راستہ میں مولانا محمد عرفان قاسمی صاحب نے بتایا کہ میلہ لوچندی (میرٹھ) کے ترنگے گیت پر پہنچنے پر ہمارے ساتھی آپ کا استقبال کرنا چاہتے ہیں۔ وہ وہاں کھڑے ہوئے آپ کو ملیں گے۔ انہوں نے مولانا محمد عرفان صاحب سے پوچھا تھا کہ ہم ان کو ہارڈالنا چاہتے ہیں۔ ہارڈالنا جائز ہے یا ناجائز۔

میں نے یہ بات سنی تو میں نے کہا کہ مجھے ذاتی طور پر اس قسم کی نمائشی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ مگر اسی کے ساتھ میری رائے یہ ہے کہ ہر چیز کو جائز اور ناجائز کا سوال بنانا خود ناجائز ہے۔ کیوں کہ فقہ اسلامی کا مسئلہ مسئلہ ہے کہ الاصل فی الاشیاء الإباحہ (چیزوں کی اصل ان کا مباح ہونا ہے)

سفر کرتے ہوئے ہم لوگ میرٹھ پہنچے تو گھڑی میں ۹ بج چکے تھے۔ یہاں سڑک کے کنارے الرسالہ کے قارئین کا ایک گروہ موجود تھا۔ ان سے ملاقات کے بعد ہم لوگ جناب محمد شہزاد علی خاں صاحب کے مکان (شاستری نگر) پہنچے۔ یہاں تقریباً دو گھنٹہ قیام رہا۔ میرٹھ کے قارئین الرسالہ یہاں جمع ہو گئے۔ ان کی تعداد تقریباً ۳۰ تھی۔

ان لوگوں کی طرف سے مختلف قسم کے سوالات پیش کئے جاتے رہے جن کے جواب میں نے قرآن و حدیث کی روشنی میں دئے۔ صحیح بخاری (کتاب الرضی) کی ایک حدیث نقل کرتے ہوئے میں نے کہا کہ مؤمن کی صفت خاص یہ ہے کہ اس کے اندر اکڑ نہیں ہوتی۔ وہ تواضع اور فروتنی میں جیتا ہے۔ اللہ کی عظمت کا یقین اور آخرت کی جواب دہی کا احساس اس سے اکڑ کی نفسیات چھین لیتا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ اکڑ کی نفسیات نہ ہونا کوئی کمزوری کی بات نہیں ہے۔ اس دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور انسان وہ ہے جو اکڑ جیسے جذبات سے خالی ہو جائے۔

ایک اور سوال کے جواب میں، میں نے کہا کہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے مسائل کا واحد حل دعوت ہے۔

انسان کے اندر اعلیٰ صفات پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے سامنے ایک اعلیٰ مشن ہو۔ اعلیٰ مشن ہی وہ واحد کلید ہے جو کسی شخص کے اندر اعلیٰ انسانی صفات پیدا کرتی ہے۔ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں اگر دعوت کی اسپرٹ صحیح معنوں میں پیدا ہو جائے تو ان کے اندر دینی اسپرٹ بھی آجائے گی۔ اور اتحاد و اتفاق بھی پیدا ہو گا۔ اخلاقی اور انسانی صفات بھی پیدا ہوں گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ دعوتی کام کی بنا پر اللہ کی خصوصی رحمتوں کے مستحق قرار پائیں گے۔

ایک اور سوال کے جواب میں، میں نے کہا کہ یہ نظریہ غلط ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرو اور پھر دعوت کا کام کرو۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (جلد اول صفحہ ۸۱) میں لکھا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ دعوت کے لئے ذاتی اصلاح شرط نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک غیر عملی شرط ہے۔ اگر لوگوں کے دل میں یہ بٹھادیا جائے کہ اپنی اصلاح کی تکمیل سے پہلے دعوتی کام نہ کرنا چاہئے تو دعوتی کام کبھی وجود میں نہیں آئے گا، ایک حقیقی مومن کبھی بھی یہ یقین نہیں کر سکتا کہ اس کی اصلاح ہو گئی، کیوں کہ حقیقی مومن اللہ سے

ڈرنے والا انسان ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ کرنے کے باوجود یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ گویا کہ مومن وہ ہے جو ہمیشہ اپنے آپ کو غیر اصلاح یافتہ سمجھے۔ ایسی حالت میں دعوت کا کام ہمیشہ رکا رہے گا۔ اگر اہل ایمان ہمیشہ اپنے بارے میں یہ سمجھتے رہیں کہ میں تو ایک غیر اصلاح یافتہ انسان ہوں تو پھر میں دعوت کا کام کیسے کروں۔ اس لئے ضروری ہے کہ دعوت عام اور ذاتی اصلاح کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھا جائے۔

پھر میں نے کہا کہ دعوت کی سب سے زیادہ اہم اور لازمی شرط یہ ہے کہ داعی اور مدعو کے درمیان نفرت اور بے زاری کی فضا نہ ہو بلکہ معتدل فضا ہو، یہی چیز دعوت کے سلسلے میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ قرآن کا حوالہ دیتے ہوئے میں نے کہا کہ مسلمانوں پر فرض کے درجہ میں ضروری ہے کہ وہ یک طرفہ صبر و اعراض کے ذریعہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان تلخی کو دور کریں۔ مفروضہ اور غیر مفروضہ ہر قسم کی زیادتیوں کو یک طرفہ طور پر برداشت کرتے ہوئے دعوت کا ماحول پیدا کریں۔ یہ خدا نخواستہ بزدلی کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک عظیم ترین عبادت ہے۔ جو شخص اس روش کا ثبوت دے اس کو بے حساب اجر عطا کیا جائے گا۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ آپ ابھی تک زیادہ تر ذاتی طور پر کام کر رہے ہیں، آپ نے کوئی بڑا ادارہ نہیں بنایا۔ میں نے کہا کہ اگر سالہ مشن سے وابستہ لوگوں کا حلقہ اللہ کے فضل سے ہر جگہ موجود ہے، جیسا کہ خود میرٹھ میں آپ دیکھ رہے ہیں۔ یہی ہمارا ادارہ ہے۔ درودیوار کی صورت میں جو بڑے بڑے ادارے قائم ہوتے ہیں وہ کوئی بہت اچھی علامت نہیں۔ اس قسم کے ادارے ہمیشہ کسی امت کے دور زوال میں بنائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی نبی کی زندگی میں موجودہ قسم کے بڑے بڑے ادارے قائم نہیں ہوئے۔ پیغمبر کی زندگی میں اس کا مشن اسپرٹ کے زور پر چلتا ہے۔ اس زمانہ میں اسپرٹ ہی ادارہ کا قائم مقام ہوتی ہے۔ بعد کی نسلوں میں جب اسپرٹ

کنزور پڑ جاتی ہے اور غواہر پسندی بڑھ جاتی ہے، اس وقت بڑی بڑی عمارتیں بنتی ہیں اور عالیشان ادارے قائم ہوتے ہیں۔ گہرائی کے ساتھ دیکھئے تو یہ ادارے دراصل روح دین کا قبرستان ہوتے ہیں۔ ان عالیشان اداروں میں بظاہر سب کچھ ہوتا ہے مگر وہی چیز نہیں ہوتی جو اصلاً مطلوب ہے، یعنی دین کی روح اور اس کی اسپرٹ۔ اسی حقیقت کو اقبال نے خدا کی طرف سے اس طرح بیان کیا ہے۔

میں ناخوش و بیزار ہوں مر مر کی سلوں سے میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو
مسٹر ایس شفیق احمد ایڈوکیٹ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ مسلم معاشرہ
میں مصیبت، طبقہ داریت اور ذات پات کے رجحان سے ملت کو منتشر و منقسم کیا جا رہا
ہے۔ اس سیاسی حربہ سے مسلم کی حفاظت کے لئے دعوت کا کیا لائحہ عمل ہے۔

میں نے کہا کہ ایک درخت سوکھ رہا ہو تو اس کو دوبارہ ہرا کرنے کے لئے ایک سو
ایک لکھ نہیں ہوتے بلکہ ایک ہی صحیح نسخہ ہوتا ہے، وہ یہ کہ اس کی جڑوں کو پانی
دیا جائے۔ میں نے کہا کہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں میں جو کمیاں ہیں وہ سب کی سب اس
لئے ہیں کہ وہ ایک بے حقیقت گروہ بن کر رہ گئے ہیں۔ فرد کا معاملہ ہو یا قوم کا معاملہ،
دونوں ہی کے لئے اصلاح کا نسخہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ ان کو ایک اعلیٰ مقصد پر کھڑا
کر دیا جائے۔ اعلیٰ مقصد اپنے آپ تمام انسانی صفات پیدا کر دیتا ہے۔ ہم مسلمانوں کو اسی
اعلیٰ مقصد پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور وہ مقصد بلاشبہ دعوت الی اللہ ہے۔ جس دن
مسلمانوں میں دعوت الی اللہ بطور مقصد شامل ہو جائے، تو بقیہ تمام صفات اپنے آپ ان
کے اندر پیدا ہو جائیں گی۔

ساڑھے گیارہ بجے ہم لوگ مسجد الفاروق (زیدی فارم) پر پہنچے، یہاں عمومی
جلسہ رکھا گیا تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ، کچھ غیر مسلم حضرات بھی موجود تھے۔ یہ جلسہ
تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہا۔ اس جلسہ میں تقریر کا عنوان اسلام اور امن تھا۔ میں

نے کہا کہ امن کی تعریف عام طور پر جنگ کی غیر موجودگی (absence of war) کی جاتی ہے۔ مگر یہ تعریف ادھوری ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ امن ایک طریق کار ہے۔ اور طریق کار کے اعتبار سے امن کو بہر حال جنگ اور تشدد پر فوقیت حاصل ہے۔

چنانچہ صحیح البخاری میں ایک حدیث آتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: **إِنَّ اللَّهَ يُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُفْرِ**۔ (اللہ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو وہ سختی پر نہیں دیتا) پوری انسانی تاریخ اس قول رسول کی صداقت کی تصدیق کرتی ہے۔ تاریخ کی تمام بڑی بڑی کامیابیاں امن کے ذریعہ حاصل ہوئی ہیں۔ جنگ کے ذریعہ کوئی حقیقی کامیابی کبھی کسی کو نہیں ملی۔

امن کا ایک طاقت ہونا اسلام کی پوری تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ دور اول میں سوالاکھ صحابہ کا جو قیمتی گروہ بنا تھا وہ سب کا سب پر امن جید و جہد کے ذریعہ بنا تھا۔ جن لوگوں کو اصحاب رسول کہا جاتا ہے وہ چار قسم کے لوگ تھے۔ مہاجرین، انصار، مطلقاء اور واندین۔

مہاجرین وہ ہیں جو مکہ کی تیرہ سالہ مدت میں اسلام لائے، جب کہ اس پوری مدت میں کبھی جنگ نہیں ہوئی۔ انصار وہ لوگ ہیں جو مدینہ کے قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ جیسا کہ معلوم ہے، مدینہ پر کبھی فوج کشی نہیں کی گئی۔ مطلقاء ان مسلمانوں کو کہا جاتا ہے جو فتح مکہ کے بعد مکہ میں اسلام لائے۔ یہ لوگ بھی جنگ کے بغیر اسلام میں داخل ہوئے۔ کیوں کہ فتح مکہ کے وقت اور نہ اس کے بعد وہاں کوئی جنگی طاقت استعمال کی گئی۔ اس کے بعد واندین کا دور ہے۔ ہجرت کے آخری سالوں میں عرب کے قبائل سے کثرت سے وفود مدینہ آئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

یہ واندین بھی جنگ کے ذریعہ نہیں بلکہ پر امن تبلیغ کے ذریعہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ یہی معاملہ اسلام کی تاریخ میں بار بار پیش آتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر تیرہویں صدی عیسوی میں تاتاری سرقد سے لے کر حلب تک مسلم دنیا پر قابض ہو گئے۔

اس وقت وہ اتنا زور آور تھے کہ ان کے مقابلہ میں جنگ کا کوئی سوال نہ تھا مگر اسلام کی پر امن دعوتی طاقت ظاہر ہوئی اور اس نے بیشتر تاریخوں کو اسلام میں داخل کر دیا۔

مسجد کے اس جلسہ میں مولانا محمد عرفان قاسمی نے بھی تقریر کی۔ ان کی تقریر کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جاتا ہے: ”یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے درمیان داعی الی اللہ مولانا وحید الدین خاں موجود ہیں۔ آپ حلقۃ الرسالہ کی دعوت پر یہاں آئے ہیں۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بتایا جائے کہ الرسالہ کا مشن کیا ہے۔ الرسالہ فکر کی کئی تعریفیں کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً کہا جاسکتا ہے کہ الرسالہ حقیقت پسندی کی تعلیم دیتا ہے۔ یا لوگوں کو باشعور بناتا ہے یا اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک فکر الرسالہ کی صحیح تعریف یہ ہے کہ الرسالہ فکر نام ہے مسائل انسانی کے قرآنی حل کا۔ یعنی انسانیت کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا قرآنی حل کیا ہے وہ الرسالہ میں بتایا جاتا ہے۔ میرے ذہن میں شروع ہی سے ایک سوال تھا کہ قرآن تمام مسائل کا حل ہے لیکن اس کے باوجود مسلم قوم سب سے زیادہ مسائل سے دوچار ہے۔ تو ایسا کیوں ہے۔ میں نے اس نقطہ نظر سے الرسالہ کا مطالعہ کیا تو میں نے پایا کہ الرسالہ تمام مسائل میں قابل فہم قرآنی رہنمائی دیتا ہے۔ میں تقریباً بیس سال سے الرسالہ کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ ان بیس سالوں میں تقریباً ۱۵ سال میں نے سخت تنقیدی انداز میں اس کا مطالعہ کیا۔ میں سوچتا تھا کہ اگر مجھے کوئی بات قرآن و حدیث کے خلاف نظر آئی تو میں الرسالہ کو فوراً چھوڑ دوں گا۔ لیکن اس دوران سچائی مجھ پر ظاہر ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ مولانا صاحب جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف قرآن و حدیث کی بات کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے ہٹ کر وہ کچھ بھی نہیں کہتے۔“

مسجد میں تقریر کے بعد سوال و جواب کا دور شروع ہوا۔ ایک سوال یہ تھا کہ دستوری طور پر ہمارے جو حقوق ہیں حکومت اس پر ایمانداری سے عمل نہیں کر رہی ہے

بلکہ اس کے قول و عمل میں تضاد ہے، ہم کو کیا کرنا چاہئے۔

میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ کسی گروہ کو اس کا حق نہ دستور کے ذریعہ ملتا ہے، اور نہ کسی حکومت کے ذریعہ۔ اس معاملہ میں اصل چیز داخلی اہلیت ہے۔ اگر اس گروہ کے اندر اہلیت ہے تو اس کو اس کا واقعی حق مل کر رہے گا۔ اور اگر اہلیت نہیں ہے تو کوئی بھی دوسری چیز اس کے کام آنے والی نہیں۔

ایک سوال، مسلم مسائل کے متعلق تھا۔ کہا گیا کہ انتظامیہ اور پولیس اپنے فرائض متعصبانہ انداز سے انجام دیتی ہے۔ حتیٰ کہ تشدد تک کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے اس قسم کے نظریہ سے اتفاق نہیں۔ یہ سب اخباری باتیں ہیں۔ میرا یقین قرآن کی اس آیت پر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تم کو جو بھی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہی عمل کا نتیجہ ہوتی ہے (الشوریٰ ۳۰) اس آیت کے مطابق، ہر مصیبت کا اصل سبب خود آدمی کے اندر ہوتا ہے نہ کہ اس کے باہر۔ ایسی حالت میں ہمارا کام احتساب خویش ہونا چاہئے نہ کہ احتساب غیر۔

ایک اور سوال یہ تھا کہ آپ جو صبر و اعراض کی تلقین کرتے ہیں آخر کار یہ کب تک۔ میں نے کہا کہ یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ خدا کی عبادت کب تک۔ صبر کوئی بزدلی نہیں، وہ ایک عبادت ہے، بلکہ وہ افضل ترین عبادت ہے (الزمر ۱۰)۔ ایسی حالت میں آپ کو چاہئے کہ صبر کے مواقع کو بشارت کے روپ میں لیں، اس کو اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا ایک تحفہ سمجھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صبر ایک ایجابی عمل ہے نہ کہ کوئی سلبی عمل۔ وہ ساری عمر جاری رہتا ہے۔

ایک سوال یہ تھا کہ انفرادی اور اجتماعی دعا کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ لاؤڈ اسپیکر پر دعا کرنا کیسا ہے۔

میں نے کہا کہ دعا خدا اور بندے کے درمیان کا ایک معاملہ ہے، اس لئے اصل دعا

کو تہائی اور خاموشی کی صورت میں ہونا چاہئے۔ لیکن ہر عموم میں استثناء ہوتا ہے۔ اس لئے کسی ضرورت یا مصلحت کے تحت جبری دعا کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل تفسیر روح المعانی میں سورہ الاعراف آیت ۵۵ کے تحت دیکھی جاسکتی ہے۔ ایک سوال یہ تھا کہ آپ کس عالم کی تفسیر سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں اور کس تفسیر کو زیادہ بہتر تصور کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ قرآن کی تفسیریں کثرت سے لکھی گئی ہیں۔ ہر تفسیر کی کوئی نہ کوئی انفرادی خصوصیت ہے اور ہر ایک سے اپنے ذوق کے مطابق استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ میں خود ہر تفسیر کو دیکھتا ہوں۔ تاہم القرطبی کی الجامع لاحکام القرآن زیادہ تر میرے مطالعہ میں رہتی ہے۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تفسیری روایات اور سلف کے اقوال یکجا مل جاتے ہیں۔ اس سے آیات کا مطالعہ کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

ایک سوال موجودہ صورت حال کے تحت مسلمانوں کی ملی اور سیاسی قیادت کے بارے میں تھا۔ مسلمانوں میں قیادتی قطع کیوں ہے۔ میں نے کہا کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان جس مسئلہ سے دوچار ہیں وہ فقدان قیادت نہیں ہے بلکہ فقدان قبولیت قیادت ہے۔ قوم کی قبولیت سے کوئی شخص قائد بنتا ہے۔ جب قوم میں قبولیت کا مزاج ہی نہ ہو تو کوئی قائد کس طرح قائم بنے گا۔

میرٹھ میں شام کے وقت جناب سید محمود علی صاحب (شاستری نگر) کے مکان پر ایک پریس کانفرنس ہوئی جس میں ہندی اخباروں کے نمائندے شریک ہوئے۔ پریس کانفرنس میں بہت سے سوالات کئے گئے جن کا میں نے جواب دیا۔ ایک سوال مسلمانوں کے دینی مدارس کے بارے میں تھا۔ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں نے دینی مدارس پر اپنے میگزین ”الرسالہ“ (ستمبر ۲۰۰۰) میں تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ مدارس ملک کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔ یہ مدارس گویا اچھے شہری تیار کرتے ہیں۔

